Fikr-o-Nasar (Islamabad) 5:7 (1968)

انتقاد

محمد سرور

کتاب الخراج ۔ امام ابویوسفؒ

اردو ترجمہ

اسلام کا نظامِ محاصل ترجمہ کتاب الخراج مصنفہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم علیہ الرحمۃ
مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، ناشر چراغِ راہ کراچی۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن معہ پلاسٹک کور ۵۰ر۱۲ روپے،
سستا ایڈیشن ۰۰ر۸ روپے۔

امام ابویوسفؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ وہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں آپؒ کا انتقال ہوا۔ مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز کیا تھا۔ "کتاب الخراج" اُنہوں نے خلیفہ ہی کے کہنے پر مرتب فرمائی۔ کتاب کی وجۂ تالیف امام ابو یوسف یوں بیان کرتے ہیں:

> "امیرالمومنین نے، اللہ اُن کی مدد فرمائے، مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے، جس کو وہ خراج، عشور، صدقات اور جوالی (جزیہ) کی تحصیل میں اپنا دستورالعمل بنا سکیں اور جو ان دوسرے اُمور میں بھی اُن کی رہنمائی کر سکے، جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے امیرالمومنین کا منشاء یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور اُن کے معاملات درست فرمائیں ...."

چناں چہ کتاب الخراج میں جہاں بڑی تفصیل سے نظامِ مالیات سے بحث کی گئی ہے، وہاں دوسرے اُمورِ حکومت بھی زیرِ بحث آئے ہیں، مثلاً شرعی حدود اور تعزیرات۔ ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ کس طرح چلایا جائے۔ قاضیوں کے مشاہرے کس مد سے دیئے جائیں۔ قوانینِ جنگ اور صلح و امن کے قواعد وغیرہ۔ اس کے علاوہ عراق اور شام کس طرح فتح ہوئے، اور حضرت عمرؓ نے ان کی زمینیں کیوں اصل مالکوں کے

پاس رہنے دیں۔ اس کا بھی بڑا مفصل ذکر ہے۔ غرض امام ابویوسف کی یہ کتاب ایک ایسی اہم دستاویز ہے جو ہمارے سامنے اس نظامِ سلطنت کو پیش کرتی ہے، جو دورِ رسالت و خلافتِ راشدہ سے روایتاً مسلمانوں کے ہاں چلا آتا تھا۔ اور جسے امام ابویوسف نے اس کتاب میں مرتب فرمادیا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب محض ایک فقہی و قانونی مجموعہ ہی نہیں، بلکہ ایک تاریخی وثیقہ بھی ہے۔

مثال کے طور پر امیرالمومنین کے اس سوال پر کہ اہلِ قبلہ محاربین کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے، امام ابویوسف لکھتے ہیں:۔ علی بن ابی طالبؓ کے بارے میں ہم کو جو روایتیں پوری صحت کے ساتھ معلوم ہوسکی ہیں، وہ بتاتی ہیں کہ آپ نے دعوت دیئے بغیر اپنے مخالفوں سے کبھی جنگ نہیں کی۔ نیز جنگ ختم ہونے اور ان پر فتح پانے کے بعد آپ نے ان کی چھوڑی ہوئی میراثوں یا عورتوں اور بچوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ اُن کے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا۔ کسی زخمی کو جان سے نہیں مارا اور کسی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا۔

امام صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے بعد مدینہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ کے سارے اموال و املاک اور بصرہ والوں کے گھر بار، مال اور ساز و سامان کو بھی آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

اسی سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:۔ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت جعفر یہ حدیث بیان کی ہے:۔ جنگ صفین کے موقع پر جب علیؓ کے پاس کوئی قیدی لایا جاتا، تو آپ اُس کا سواری کا جانور اور اسلحے چھین لیتے اور اُس سے یہ عہد لے کر اُسے چھوڑ دیتے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ان روایات کے بعد وہ اس مسئلے میں اپنی رائے یہ دیتے ہیں؛

ہمارے بعض رفقاء کا کہنا ہے کہ اگر باغیوں کے لشکر کا کیمپ منظم طور پر قائم ہو تو اُن کے قیدی قتل کیئے جائیں گے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب ہوگا۔ اور زخمیوں کو مار ڈالا جائے گا۔ لیکن اگر ان کا کوئی منظم جتھا یا لشکر نہ ہو، جس میں یہ پناہ لیتے ہوں تو بھاگنے والوں کا تعاقب نہ ہوگا۔ زخمیوں کی جان نہیں لی جائے گی اور قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر قیدیوں سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ ایک جتھا بنالیں گے تو انہیں قید خانہ میں بند کر دینا چاہیئے ....

امام ابویوسف نے فیٔ یعنی مالِ غنیمت کی تقسیم کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے عہد خلافت میں مالِ غنیمت میں سے سب کو ایک سا حصہ دیتے تھے۔ اور جب اس پر اعتراض ہوا

تو ان کا جواب یہ تھا :-

"تم نے سابقیت، اولیت (یعنی اسلام میں) اور فضل کا جو ذکر کیا ہے، تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل شنارہ دے گا۔ مگر یہ (تقسیم مال) معاملات دنیا میں سے ہے۔ اور اس میں ترجیح و امتیاز کے بجائے مساوات بہتر ہے۔"

لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے، تو آپ نے یہ مساوات ترک کر دی اور اسلام میں سابقیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کی بنا پر فئے کی تقسیم کا اصول اپنایا۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا: "ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مال (کی تقسیم) کے سلسلہ میں ایک خاص رائے قائم کی تھی۔ مگر میں اس بارے میں ایک دوسری رائے رکھتا ہوں۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے، انہیں میں ان لوگوں کے مساوی نہیں قرار دوں گا، جنہوں نے آپؐ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔"

اسی ضمن میں امام صاحب نے یہ بھی لکھا ہے :-

(راوی) کہتا ہے جب آپ (حضرت عمرؓ) نے دیکھا کہ مال بہت زیادہ ہو گیا ہے تو فرمایا: "اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو (رجسٹر کی فہرست میں) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں میں شامل کر دوں گا تاکہ تمام افراد کو برابر برابر وظائف ملنے لگیں۔"

(راوی) کہتا ہے۔ آپؓ اس سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔

حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں سے محاصل وصول کرنے کا جو نظام نافذ کیا تھا۔ کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے اس میں بعض تبدیلیاں کرنے کی جو تجویز کی تھی، اس پر مترجم مقدمہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خراج کی تحصیل کے نظام کے سلسلے میں ابو یوسف نے مصالح کی بنا پر اس طریقہ سے مختلف طریقہ تجویز کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ ان پر اعتراض کیا گیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے انحراف کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ مسئلہ کی اصل نوعیت کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کیا اصول تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنے زمانہ کے حالات میں ایک مخصوص طریقہ اختیار

کیا تھا اور کس طرح حالات میں تبدیلی کی وجہ سے اب اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے ۔"

غرض حالات کی تبدیلی کی وجہ سے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی ۔ چناں چہ مترجم لکھتا ہے :۔

"انہوں (امام ابو یوسف) نے بتایا ہے کہ اب سابق طریقہ سے ایسی مضرتیں پیدا ہو رہی ہیں کہ روح شریعت اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اصولِ مالیہ کی روشنی میں اُسے ترک کر دینا ضروری ہو گیا ہے ۔ اُنہوں نے دلائل کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ اُن کا تجویز کردہ طریقہ شریعت کے منشا کی تکمیل کے لیے زیادہ موزوں ہے ۔"

کتاب میں مزارعت یعنی بٹائی کی بھی بحث ہے ۔ امام صاحب لکھتے ہیں :۔

امیرالمومنین ! آپ نے دریافت کیا ہے کہ پرتی زمینوں کو نصف یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے طور پر (کاشت کار کو) دینا کیسا ہے ۔ جواب یہ ہے کہ ہمارے حجازی اور مدنی رفقا اس معاملہ کو مکروہ اور فاسد قرار دیتے ہیں .... ابو حنیفہ اُن لوگوں میں سے تھے جو پرتی زمینوں یا باغات اور نخلستانوں میں تہائی اور چوتھائی یا کم و بیش پیداوار پر اس طرح کا معاملہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے ۔ ابن ابی لیلیٰ ان لوگوں میں سے تھے ، جو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے ۔

اس کے بعد امام صاحب نے مزارعت کے عدم جواز اور جواز کے دلائل دیئے ہیں ۔ اور آخر میں یہ روایات نقل کی ہیں :۔

(۱) حجاج نے ابو جعفر سے اور ابو جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا ۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابو بکر ، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی زمینوں کو تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے ۔

(۲) اعمش نے ابراہیم بن مہاجر سے اور اُنہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ بن طلحہ نے کہا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کو اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دیتے ہوئے دیکھا ہے ۔

(۳) حجاج بن ارطاۃ نے بروایت ابو جعفر ، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان کی

ہے کہ آپؐ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اپنی زمینیں تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔

امام صاحب نے اس کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے:

"اس باب میں ہم نے جو کچھ سنا ہے، اس میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم، اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔"

مزارعت کے عدم جواز کے بارے میں امام صاحب نے جو دلائل دیئے ہیں، وہ یہ ہیں:-

"ابوحنیفہ اور مزارعت و مساقاۃ کو ناجائز قرار دینے والے دوسرے فقہاء اپنے مسلک کی دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابوحصین نے (ابن) رافع بن خدیج سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور اُن کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک بار آپؐ ایک احاطہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

" یہ کس کا ہے۔"

رافع بن خدیج نے جواب دیا کہ میرا ہے، میں نے اسے کرایہ پر لیا ہے۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا:

"دیکھو! اسے اسی کی کچھ پیداوار کے عوض کرایہ پر نہ لینا۔"

ابوحنیفہ اور مساقاۃ کو ناجائز سمجھنے والے دوسرے حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مجہول اور فاسد اجارہ ہے۔

کتاب کا بارھواں باب "عمّال خراج کے لئے ھدایات" ہے، اس میں امام صاحب نے عمّال خراج کے بارے میں امیرالمومنین ہارون الرشید کو جو نصیحتیں کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ آج بھی حکومت کا ہر عہدے دار انہیں پڑھ کر غیر معمولی اثر لے سکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"........ اللہ نے فساد مچانے سے منع کیا ہے، فرماتا ہے

ولا تفسدوا فی الارض بعد فسادھا (الاعراف - ۵۴) - اور زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ برپا کرو۔

اور

واذا تولّیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیھا و یھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد (البقرہ - ۲۰۵) - اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے - کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے - حالاں کہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا -

ماضی میں جو قومیں تباہ ہوگئیں، ان کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے عوام کو ان کے حقوق دینے سے گریز کیا تاکہ لوگ ان حقوق کو قیمت ادا کر کے ان سے خریدیں اور ظلم ڈھائے تاکہ لوگ ان کے مظالم سے بچنے کی خاطر فدیئے ادا کریں -

اہلِ خراج پر ایسا بار ڈالنا جس کی ادائیگی اُن کے ذمہ واجب نہیں، صریح ظلم اور سراسر حرام ہے - اس کی گنجائش کسی طرح نہیں نکل سکتی -

امام صاحب نے ہارون الرشید کو بتایا کہ وہ والیوں اور عاملوں پر کڑی نظر رکھیں اور ایسے اجلاس عام کا انتظام کریں، جن میں لوگ اُن تک پہنچ سکیں اور اُن کی خدمت میں اُن کے والیوں کی شکایات پہنچا سکیں - اس سلسلے میں امام صاحب نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ کس طرح انہوں نے مصر کے عامل عیاض بن غنم کو جو باریک کپڑے پہنتا اور دروازے پر دربان رکھتا تھا، واپس مدینہ بلایا - اور اُس سے فرمایا :

اپنی قمیص اتار دو - پھر آپ (حضرت عمرؓ) نے موٹے اُون کا ایک کرتا منگوایا اور بھیڑ بکریوں کا ایک گلہ اور ایک لاٹھی بھی منگوائی اور اُن سے یہ فرمایا کہ : "یہ کرتا پہنو - یہ لاٹھی اور یہ بکریاں چراؤ - ان کا دودھ خود پیو - اور راہ گیروں کو پلاؤ اور جو بچ رہے وہ ہمارے لئے محفوظ رکھو - سن لیا تم نے؟" اُنھوں نے کہا : "ہاں (سن لیا) مگر موت آجانا اس سے اچھا ہے (کہ میں ایسا کروں)" - آپؓ نے بار بار اُن سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا "اس سے بہتر یہی ہوگا کہ موت آجائے "

عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے جب کہ تمہارے باپ کا نام غنم اس لئے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے ؟ کیا تم آئندہ بھلی روش اختیار کروگے ؟

اُنہوں نے جواب دیا - ہاں یا امیر المومنین -

آپؓ نے فرمایا: اچھا تم جاؤ۔ اور آپؓ نے اُن کو اُن کے منصب پر بحال کر دیا۔
راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ اتنے اچھے بن گئے کہ عمر رضی اللہ عنہٗ کا کوئی دوسرا عامل اتنا اچھا نہ تھا۔

غرض امام صاحب نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے آثار بیان کر کے ہارون الرشید پر یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ عمال اور والیوں کی زیادتیوں سے رعیت کو بچانا سب سے بڑی نیکی ہے۔

شرعی حدود اور تعزیرات کے ذیل میں ایک فصل ہے "شراب خوری کی سزا"۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

جس شخص نے انگور کی شراب پی ہو اور اسے امام کے سامنے پیش کیا جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، خواہ اس نے تھوڑی شراب پی ہو یا زیادہ۔ انگوری شراب کم ہو یا زیادہ بہر حال حرام ہے۔ اور اس (کے پینے) سے حد واجب ہو جاتی ہے۔ نشہ خواہ کسی مشروب سے پیدا ہو، حد واجب کر دیتا ہے۔

حجاج نے عطار سے روایت کرتے ہوئے ہم سے اُن کا یہ قول بیان کیا ہے کہ انگور کی شراب کے علاوہ کسی اور مشروب (کی بنا) پر اسی وقت حد واجب ہو گی جب اس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

اس بات پر ہمارے رفقاء کا اجماع ہے کہ جس شخص نے انگور کی شراب کم یا زیادہ پی ہو، اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ جو شخص انگوری شراب کے علاوہ کوئی اور شراب پی کر نشہ میں مبتلا ہو جائے، اس کی عقل معطل ہو جائے اور بھلے بُرے کی تمیز جاتی رہے، اس پر بھی اسی کوڑوں کی حد جاری کی جائے گی۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ نے نبیذ پی کر نشہ میں مبتلا ہو جانے والے کو اسی کوڑے لگوائے ہیں۔

ہم سے شیبانی نے بروایت حسان بن المخارق حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔ ایک شخص ایک سفر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ تھا۔ یہ شخص روزہ سے تھا۔ جب اس نے روزہ افطار کر لیا تو عمر بن الخطابؓ کا ایک نبیذ کا گھڑا، جو اوپر لٹکایا ہوا تھا، اُتارا اور اس میں سے پیا۔ اسے نشہ آگیا۔ عمر رضی اللہ عنہٗ نے اس پر حد جاری کی۔ اس آدمی نے آپ سے کہا:۔ میں نے تو آپ ہی کے برتن سے پیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہٗ نے اُسے جواب دیا کہ میں نے تمہیں نشہ آنے کی بنا پر کوڑے مارے ہیں۔ (نبیذ) پینے کی بنا پر نہیں مارے ہیں۔

مسعر نے حدیث بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا ہے:۔ مجھ سے ابو بکر بن عمرو بن عتبہ نے ایک حدیث

بیان کی ہے جس کو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ آپؓ نے فرمایا ہے: "حد صرف اس چیز (کے پینے) پر جاری کی جائے گی جو عقل معطل کر دے۔"

امام ابو یوسف نے اپنے زمانے کے قاضیوں کی بھی شکایت کی ہے۔ انہوں نے ہارون الرشید کو بتایا ہے کہ قاضیوں کے مشاہرے بیت المال میں سے دیئے جانے چاہئیں تاکہ وہ غریب اور امیر چھوٹے اور بڑے سب کے نگراں اور کارندہ بن کر رہیں۔ اُن کے زیرِ نگرانی جو جائدادیں ہوں، اُن سے حتی الوسع وہ کچھ نہ لیں اور اگر لینا پڑے، تو اُس کی مقدار بہت کم ہو۔

اس کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں:-

"حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر میرا خیال ہے کہ اکثر قاضی اس کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس طریقے سے کر رہے ہیں۔ اُن کے اکثر رفقاء کو۔ بجز ان چند افراد کے جنہیں اللہ نے دیانت داری کی توفیق عطا کی ہے۔ اس میں کوئی باک نہیں محسوس ہوتا کہ یتیموں کو مفلس بنا دیں اور وارثوں کو تباہ کر دیں۔

کتاب الخراج کی غیر معمولی اہمیت، اُس کی علمی و تاریخی حیثیت اور اُس میں اسلامی نظام مالیات اور نظم و نسقِ حکومت کے متعلق جو سیر حاصل مواد ہے، اس کا ان اقتباسات سے جو اوپر دیئے گئے ہیں، کچھ قدرے اندازہ ہو گیا ہوگا۔ جناب محمد نجات اللہ صدیقی صاحب نے اس موضوع پر ایسی بنیادی اور جامع کتاب کا اُردو میں ترجمہ کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اُن کی اِس علمی و دینی خدمت کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

ترجمہ اتنا رواں ہے کہ شروع سے آخر تک پڑھ جائیے، کہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی دوسری زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ زبان بڑی صاف اور سلیس ہے۔ اور اسلوب میں علمی سادگی اور ہمواری ہے، کتاب میں کتابت کی شاذ و نادر ہی کہیں غلطی ملتی ہے۔

ترجمہ تو اپنی جگہ قابلِ تعریف ہے ہی، لیکن اس سے بھی بڑھ کر قابلِ تعریف مترجم کا وہ طویل مقدمہ ہے، جو ایک سو صفحے تک چلا گیا ہے، پھر کتاب کے آخر میں انہوں نے جو ضمیمے اور خاص طور پر اشاریے دیئے ہیں، اُن سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

مقدمہ میں فاضل مترجم نے پہلے تو اُس دَور کا تاریخی پس منظر دیا ہے، جس میں امام ابویوسف کی علمی سرگرمیاں ظہور میں آئیں۔ پھر موصوف نے بڑی تفصیل سے مصنف کے سوانح حیات دیئے ہیں۔ خراج کے موضوع پر مسلمانوں کے ہاں جو اور کتابیں لکھی گئیں، مترجم نے اُن کا سرسری ذکر کرنے کے بعد کتاب الخراج کے مضامین و مطالب کا ایک خلاصہ دے دیا ہے۔ جس سے کتاب کا بڑا اچھا تعارف ہو جاتا ہے۔

مترجم نے یہ جو ایک سو صفحے لکھے ہیں۔ ان میں موصوف نے واقعی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اور ان کے مطالعے سے اصل کتاب کا مطالعہ اور اُس کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کا شائع کرنا ایک بڑا مفید اقدام ہے۔ اور ہم مکتبۂ چراغِ راہ کو اس پر مبارک باد دیتے ہیں۔ اُمید ہے، اسلامی علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس سے کماحقہٗ استفادہ کریں گے۔

اب جو عرض کیا جا رہا ہے، اُس کا براہِ راست زیرِ نظر کتاب اور اُس کے فاضل مترجم سے تعلق نہیں، لیکن چوں کہ اس کتاب کے ناشر ماہنامہ چراغِ راہ والے ہیں۔ اس لئے اس مناسبت سے ہم اس کتاب کے بعض مندرجات کی طرف خاص طور پر اُن کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱ حضرت ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ اپنا دفاع کیا جاتا ہے۔ اب اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور عدل کرتا ہے تو اُسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا۔

ایک اور حدیثِ نبویؐ ہے، "لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ سنو اور اطاعت کرو۔ اگر کوئی نک کٹا حبشی غلام بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے تو بھی اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

حضرت ابوہریرہ ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے امام کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امام کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت خدیفہ کا ایک اثر ہے :" امام کے خلاف تلوار اُٹھانا سنت کے خلاف ہے "

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام اور جماعت سے بالشت برابر بھی کنارہ کشی اختیار کی، اس نے اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اُتار دیا۔

کتاب کے صـ ۱۲۲، صـ ۱۲۳ اور صـ ۱۲۴ پر بھی امام ابو یوسف نے اسی مضمون کی احادیث و آثار نقل کئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے امراء کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ نہ اُن کو دھوکا دیں۔ نہ اُن کی نافرمانی کریں۔ اور یہ کہ ہمیں اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا چاہیئے "

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " حکمرانوں کو گالی نہ دو۔ اگر وہ بھلی روش اختیار کرتے ہیں تو اُن کو اس کا اجر ملے گا اور تم کو اس پر شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اگر وہ بُری روش اختیار کریں تو اس کا وبال اُن پر پڑے گا۔ اور تم کو صبر کرنا چاہیئے ...."

حضرت عبداللہ بن عمر کعبہ کے زیر سایہ بیٹھے یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی امام سے بیعت کی اور اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا اور خلوصِ دل سے اُس کے ساتھ عہد کر لیا تو جب تک ہو سکے اس کو اس امام کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ پھر اگر کوئی دوسرا آدمی اُٹھے اور اُس سے جھگڑا کرنے لگے تو اُس کی گردن مار دو "

حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اے معاذ! ہر امیر کی اطاعت کرو، ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو اور میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا بھلا نہ کہو "

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج کے صفحہ ۵۰۴ پر حضرت ابو ہریرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم " میں اولی الامر سے مراد امراء ہیں۔

امام ابو یوسف، حضرت امام ابو حنیفہ کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ اور حضرت امام سے سب سے زیادہ استفادہ بھی انہوں نے کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب " خلافت و ملوکیت " میں امام ابو یوسف کے علم و فضل اور آزادی رائے کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا نے امام ابو یوسف کے متعلق ہارون کا یہ قول نقل کیا ہے: "........ وہ ایک راست رو اور مضبوط سیرت کا آدمی ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا آدمی ہو تو لاؤ " (۱۳) کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں: "........ سب سے بڑی شہادت ہمارے

پاس اُن کی کتاب الخراج ہے۔ اس کے دیباچے ہی کو دیکھ کر آدمی جان سکتا ہے کہ ایک خوشامدی کسی بادشاہ کو مخاطب کر کے یہ باتیں نہیں لکھ سکتا۔"

امام ابو یوسف کے علم و فضل کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں: "انہوں نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا، اور حدیث، تفسیر، مغازی، تاریخ عرب، لغت، ادب اور علم کلام میں بھی مہارت پیدا کی۔ خصوصاً حدیث کا وہ وسیع علم رکھتے تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ اور یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور علی بن المدینی جیسے لوگوں نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اُن کے متعلق اُن کے ہم عصروں کی متفقہ رائے یہ تھی کہ ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی اُن کا ہمسر نہ تھا۔ طلحہ بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہہ تھے ......"

ایک قائم شدہ امامت اور برسرِ اقتدار امام کی اطاعت کے بارے میں امام ابو یوسف کی جو رائے تھی، اس کا بیان اوپر ہوا ہے، اور اس رائے کی تائید میں انہوں نے جو احادیث و آثار روایت کی ہیں۔ وہ بھی نقل ہو چکی ہیں، مولانا مودودی نے اپنی تازہ ترین تصنیف "خلافت و ملوکیت" میں خروج (REVOLT) کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ کی طرف جو باتیں منسوب کی ہیں، وہ اس کی بالکل ضد ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں :-

"اس مسئلے میں خود اہلِ السنت کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل الحدیث کا بڑا گروہ اس بات کا قائل رہا ہے کہ صرف زبان سے اس کے ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی جائے اور اس کے سامنے کلمہ حق کہا جائے، لیکن خروج نہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ ناحق خون ریزی کرے۔ لوگوں کے حقوق پر بے جا دست درازیاں کرے اور کھلم کھلا فسق کا مرتکب ہو۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ظالم کی امامت نہ صرف یہ کہ باطل ہے، بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے۔ بشرطیکہ ایک کامیاب اور مفید انقلاب ممکن ہو اور ظالم و فاسق کی جگہ عادل و صالح کو لایا جا سکتا ہو اور خروج کا نتیجہ محض جانوں اور قوتوں کا ضیاع نہ ہو۔"

امام ابو حنیفہ کے مذکورہ بالا مسلک کی تائید میں مولانا مودودی نے ابو بکر الجصاص صاحبِ احکام القرآن کی اس عبارت کو "ابو حنیفہ کہتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ابتداً زبان

سے فرض ہے، لیکن اگر سیدھی راہ اختیار نہ کی جائے تو پھر تلوار سے واجب ہے“ نقل کیا ہے۔ (ابوبکر الجصاص کا سن وفات ۳۷۰ھ ہے)۔

مولانا مودودی نے مسئلہ خروج کے متعلق مزید بحث کرتے ہوئے آخر میں یہ رائے دی ہے:۔

”یہ تھی پہلی صدی ہجری کے اہلِ دین کی عام رائے۔ امام ابوحنیفہ نے اسی دَور میں آنکھیں کھولی تھیں، اس لیے اُن کی رائے بھی وہی تھی جو ان لوگوں کی تھی۔ اس کے بعد دوسری صدی کے آخری دور میں وہ دوسری رائے ظاہر ہونی شروع ہوئی، جو اب جمہور اہلِ سنت کی رائے کہی جاسکتی ہے۔ اس رائے کے ظہور کی وجہ یہ نہ تھی کہ کچھ نصوص قطعیہ اس کے حق میں مل گئی تھیں، جو پہلی صدی کے اکابر سے پوشیدہ تھیں۔ یا معاذ اللہ پہلی صدی والوں نے نصوص کے خلاف مسلک اختیار کر رکھا تھا......“

اس کے بعد مولانا نے اس تغیرِ مسلک کی دو وجہیں دی ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ (الف) اطاعتِ امام کے متعلق امام ابو یوسف نے جو احادیث و آثار روایت کی ہیں، کیا اُن کا حکم ”نصوص قطعیہ“ کا نہیں ؟ (ب) امام ابو یوسف کا اس بارے میں جو مسلک ہے، وہ کلیتہً اُن کے اُستاد حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف مولانا مودودی نے جو مسلک منسوب کیا ہے اُس کے خلاف ہے، اس کی کیا توجیہہ کی جائے گی ؟

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا مودودی نے جس اساس پر امام ابوحنیفہ کی طرف ایک خاص مسلک منسوب کر کے اپنے مسئلہ خروج کی عمارت کھڑی کی ہے وہ ہے ہی سرے سے غلط۔ امام ابوحنیفہ کی ہمدردیاں آلِ علی کے ساتھ تھیں، اس لیے وہ عباسی خلافت کے حق میں نہ تھے اور اسی بنا پر وہ منصور سے تعاون کرنے کو تیار نہ تھے۔ اب رہیں اطاعتِ امام کے متعلق احادیث و آثار، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ تک نہ پہنچی ہوں۔ ہمارے ان ائمہ کرام نے اُس دَور میں اطاعتِ امام پر اس لئے زور دیا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کے نام سے ہر گروہ تلوار لے کر قائم شدہ حکومت کے خلاف جب جی چاہتا تھا، اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس کی سب سے نمایاں مثال خوارج کی ہے، جو حضرت علی کے خلاف اسی نام سے اُٹھے، اور امویوں سے بھی اسی بنا پر لڑتے رہے۔ خوارج کے علاوہ خود بنی اُمیہ کے کئی سرداروں نے اُن کے خلاف بغاوتیں کیں، جیسے کہ یزید بن مہلب اور عبدالرحمٰن بن اشعث کی بغاوتیں ہیں، اور ان کی وجہ بھی انہوں نے یہی حاکموں کا ظلم و جور بتائی تھی۔ بات یہ ہے، ظلم و جور اور فسق و

فجور کی ہر شخص اپنی تعبیر کرتا ہے۔ اور "امر بالمعروف" بھی ہر شخص کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔

اسی انارکی، لاقانونی اور عدم استحکام کے سدباب کے لئے ہمارے ائمہ نے وہ دلائل دیئے ہیں، جن سے اطاعتِ امام اتنی شدومد سے ثابت ہوتی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے حضرت امام ابوحنیفہ سے خروج کا جو مسلک منسوب کیا ہے، وہ فی الحقیقت خوارج کا ہے۔ اور وہ اس پر برابر عمل پیرا رہے، یہاں تک کہ جمہورِ امت نے اُن کا بالکل زور توڑ دیا۔

افراد اور گروہوں کو خروج (REVOLT) کرنے کا حق غیر معین اور مبہم حکم کی بنا پر دے دینا جیسا کہ مولانا مودودی دے رہے ہیں، ایک بڑا خطرناک اقدام ہے، اور اگر اُسے اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مان لیا جائے۔ تو پھر کسی سیاسی نظام تو ایک طرف رہا، کسی اجتماعی و دینی نظام کو ثبات و استحکام میسر نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے ائمہ نے اسی کی روک تھام کی تھی اور اسلامی معاشرہ کو انتشار اور آئے دن کی بغاوتوں سے بچایا تھا۔

ایک غیر معین اور مبہم حکم کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اُسے کسی عملی اقدام کا ذریعہ بنانا، خود امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں اس کو غیر صحیح بتایا ہے۔ امان کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں (ص ۵۵۵):-

ابو وائل نے بیان کیا کہ ہمارے پاس عمر کا یہ مراسلہ آیا، "جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ لوگ تم سے یہ چاہیں کہ تم اُنہیں اللہ کے فیصلے کی شرط پر ہتھیار ڈالنے دو تو تم ایسا نہ کرنا۔ کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ اُن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ٹھیک معلوم کر سکو گے کہ نہیں، تم ان کو اپنے فیصلے کی بنیاد پر ہتھیار ڈالنے کو کہو اور اس کے بعد اُن کے بارے میں جو فیصلہ چاہو، کرو ...."

امان ہی کے ضمن میں ص ۵۴۰ پر ہے:-

" اگر دشمن اس شرط پر ہتھیار رکھنے کی پیش کش کریں کہ اُن کے بارے میں اللہ کے حکم یا قرآن کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا تو واضح رہے کہ حدیث نے دشمن سے حکم الٰہی کی شرط پر ہتھیار رکھوانے کی ممانعت کر دی ہے۔ کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ اُن کے بارے میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ لہٰذا اُن کی یہ پیش کش نہیں منظور کی جائے گی ...."

زیر نظر کتاب کے مترجم جناب محمد نجات اللہ صدیقی نے مقدمہ میں خلیفہ منصور کے ذکر میں لکھا ہے:-

"خلیفہ منصور رعایا کی معاشی فلاح کا بڑا اہتمام کرتا تھا۔ وہ ملک کے ہر علاقہ میں اشیاء ضرورت کی قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ پر نظر رکھتا تھا اور جہاں گرانی ہوتی نظر آتی، اس کے سدِ باب کی تدابیر کرتا۔ وہ مختلف علاقوں کے عمّال اور والیوں کے طرزِ عمل سے بھی باخبر رہتا اور یہ بھی معلوم کرتا رہتا تھا کہ بیت المال میں کتنی آمدنی ہوئی.........

منصور بہت کفایت شعار اور منتظم حکمراں تھا۔ وہ شعراء اور حاشیہ نشینوں کو بڑے بڑے انعامات دینے سے پرہیز کرتا تھا اور فضول خرچی سے دُور تھا۔ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنی ضروریات کے لئے مال نہیں لیتا تھا۔ سرکاری مال کی آمد و صرف کا پورا حساب رکھا جاتا تھا۔ بالخصوص اخراجات کے سلسلہ میں منصور خود نگرانی کرتا تھا۔ بغداد کی تعمیر پر بہت مال صرف ہوا تھا، لیکن جملہ مصارف اس کی ذاتی نگرانی میں ہوئے تھے۔ اور اُس نے ماتحت افسروں سے ایک ایک درہم کا حساب لیا تھا۔

خلیفہ منصور سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس نے اپنے لڑکے مہدی کو وصیت کی تھی کہ فئے کے مال سے دست کش رہنا کیوں کہ میں ترکہ چھوڑ جا رہا ہوں اس کے ہوتے ہوئے تمہیں مزید کی ضرورت نہیں۔ رعیت کا مال ذاتی ضروریات پر صرف نہ کرنا، نہ اُن کو بے جا صرف کرنا۔ عوام کو آرام پہنچانا۔ اُن کے مصالح کا اہتمام کرنا۔ ان کو تکلیف پہنچانے والی چیزوں کا ازالہ کرنا اور ان کی معاش میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ خزانہ اور مال کا حساب رکھنا اور فضول خرچی نہ کرنا کیوں کہ ہنگامی ضروریات کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہیں۔

مترجم نے یہ بھی لکھا ہے کہ "عباسی خلافت کے استحکام اور دوسرے امورِ سلطنت کے ساتھ مالی نظام کی تنظیم کا کام دراصل سفاح کے بھائی ابو جعفر منصور کے زمانہ (۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ) میں انجام پایا.....

اسی منصور کے خلاف حضرت حسن بن علیؓ کی اولاد میں سے نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے خروج کیا۔ مولانا مودودی نے بعض حوالوں سے یہ اخذ کیا ہے: "وہ (امام ابو حنیفہ) لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور اُن سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ خروج کو نفلی حج سے ۵۰ یا ۷۰ گُنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے۔ ایک شخص ابو اسحاق الفزاری سے انہوں نے یہاں تک کہا کہ تیرا بھائی جو ابراہیم کا ساتھ دے رہا ہے، اُس کا یہ فعل تیرے اس فعل سے کہ تو کفار کے خلاف جہاد کرتا ہے، زیادہ افضل ہے۔

مولانا مودودی نے ایک حوالہ سے یہاں تک اثبات کیا ہے کہ جب منصور نے اپنے "نہایت معتمد جنرل اور اُس کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطبہ کو نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پر" جانے کا حکم دیا تو وہ امام ابو حنیفہ کے پاس آیا۔ امام نے اُس سے فرمایا "اب تمہاری توبہ کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو گے تو تمہاری توبہ بھی رہے گی۔ ورنہ پہلے جو کچھ کر چکے ہو، اس پر بھی خدا کے ہاں پکڑے جاؤ گے اور اب جو کرو گے، اس کی سزا پاؤ گے"۔ حسن نے دوبارہ توبہ کی اور منصور کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم نے منصور کے خلاف خروج کیا۔ اور یہ بھی صحیح ہے اور تاریخی روایات اس کی شہادت دیتی ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی ہمدردیاں ان دونوں بھائیوں کے ساتھ تھیں۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایک طرف ظالم حکومت تھی اور دوسری طرف جمہور اُس کے خلاف اُٹھے تھے، بلکہ معاملہ صرف یہ تھا کہ ایک فریق اس کا قائل تھا کہ خلافت کے مستحق آلِ علی ہیں۔ اور عباسی کہتے تھے کہ اصل حق دار ہم ہیں۔ اس سلسلے میں منصور اور نفس زکیہ کے درمیان جو مراسلت ہوئی، اُس سے اس کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

سید امیر علی نے لکھا ہے کہ جب منصور کی فوج نفس زکیہ کے مقابلے کے لئے مدینہ پہنچی، تو اُن کے ساتھ صرف تین سو آدمی رہ گئے تھے۔ بے شک وہ بڑی بہادری سے لڑے، لیکن مختصر سی جمعیت کے ساتھ جرّار فوج کا کیسے مقابلہ ہوتا۔

لیکن مولانا مودودی منصور کے سپہ سالار اعظم کا اُس کا حکم ماننے سے انکار کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"یہ طرزِ عمل بھی ٹھیک ٹھیک امام کے اس نظریہ کے مطابق تھا کہ ایک کامیاب اور صالح انقلاب کے امکانات ہوں تو ظالم حکومت کے خلاف خروج جائز ہی نہیں، واجب ہے"۔

طابع: ظہیر الدین — مطبع: استقلال پریس، لاہور،
ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، راولپنڈی